© rasailojaraid.com

برصغیر میں درسِ حدیث کے اسالیب

حضرت مولانا عبید اللہ خالد (مدیر ماہنامہ الفاروق اردو، کراچی)

رسول اکرم ﷺ کی سیرت و کردار، اقوال و اعمال اور سنن و ایام کی ایک مکمل اور جامع تصویر اپنے تمام تر دلکش خدوخال کے ساتھ تعلیم و تربیت اور درس و تدریس کی جن محفوظ راہوں سے ہم تک پہنچی اس وضاحت کے زیر اثر رہ کر فنِ حدیث، اس کی تدوین و ترتیب اور اسماء رجال کی تاریخ پر نظر رکھنے والے اربابِ علم کے لیے یہ امر تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے کلام کی حفاظت کا ذمہ اپنے سر لے کر تا قیامت اسے تحریف اور ردوبدل کی یورشوں اور فتنہ پردازوں کی ناپاک جسارتوں سے محفوظ رکھنے کی یقین دہانی کرائی، آپ ﷺ کے اقوال و اعمال اور سنن و ایام کا ایک وسیع اور بے نظیر ذخیرہ صحتِ تدوین و حفظ کے جن محفوظ ترلبادہ میں ہم تک پہنچا اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور احادیث مبارکہ کے حفاظتی ذرائع وسائل کا منجانب اللہ ہونا بھی بدیہی طور ثابت ہو جاتا ہے۔ قرآن وحدیث کی حفاظت کا یہ غیر معمولی انتظام ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک کسی دوسری کتاب کے لیے نہیں ہو سکا۔ آپ کے اسوۂ حسنہ اور ایک ایک قول و عمل کی یہ غیر معمولی حفاظت بھی ان ہی ذرائع اور طرق سے ہوئی جن ذرائع سے قرآن کی حفاظت ہوئی۔ پھر ختم نبوت کا حتمی اور اٹل اعلان بجائے خود اس حقیقت کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے لیے کفایت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کی تعلیمات و ہدایات اور اس کے نقوش ہائے قدم کو قیامت تک زندہ رکھنے کی ذمہ داری لے لی ہے تاکہ اس کی زندگی ہمیشہ امت کی رہنمائی کرتی رہے۔ آپ چند لمحے کے لیے غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے فی الواقع جریدۂ عالم پر ان کے نقوش کو کیسا ثبت کیا کہ آج تک کوئی طاقت انہیں نہیں مٹا سکی۔

عہد نبوی ﷺ میں درس حدیث کا باقاعدہ اہتمام

احادیثِ طیبہ کی تعلیم و تدریس اور نشرواشاعت کا آغاز آپ ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں ہو چکا تھا۔ خود عہد نبوت میں قرآن اور سنن و سیرت کے سیکھنے سکھانے کے لیے باضابطہ تعلیم گاہ "صفہ" کے نام سے قائم تھی جس میں طلبہ کی تعداد ایک وقت میں اسی اسی تک ہوتی تھی، اسی مدرسے میں تعلیم دینے کا کام حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم وغیرہم عہد صحابہ میں انجام دیتے تھے (1)۔

یہ تو ان لوگوں کی تعلیم کا طریقہ تھا جو خود مدینے چلے آئے تھے، لیکن جو نہیں آسکتے تھے، ان کے لیے آستانۂ نبوت سے باضابطہ معلمین بھیجے جاتے تھے۔ پھر حضور اکرم ﷺ کے بعد جیسا کہ ہونا چاہیے تھا نہ صرف مدینہ منورہ بلکہ ان تمام مرکزی شہروں میں جہاں جہاں اسلامی حکومت کا پھریرا لہرا رہا تھا اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مختلف جماعتیں وہاں جا کر توطن پذیر ہو گئی تھیں، جن میں مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، یمن، یمامہ، بحرین، دمشق، کوفہ، بصرہ، مصر کو خاص اہمیت حاصل ہے جلیل القدر صحابہ رسول نے ان شہروں کے جوامع میں

© rasailojaraid.com

قرآن کے ساتھ ساتھ روایتِ حدیث کے باضابطہ حلقے قائم کئے تھے۔

یہ تو ایک مختصر سی جھلک تھی عہدِ نبوت میں احادیث کی باقاعدہ تعلیم اور درس و تدریسِ حدیث کی سرگرمی کی، پھر تابعین اور تبع تابعین اور اس کے بعد تین چار صدیوں تک مسلسل جہاں جہاں اسلام کی ضیا بار کرنیں پہنچیں وہاں احادیث کی تعلیم اور حفظِ روایات کے ساتھ مسلمانوں کی کثرتِ اشتغال اور بے پناہ اعتنا کا یہ حال تھا کہ بیک وقت ایک محدث کے حلقۂ درس میں ہزاروں لاکھوں طالبانِ علوم نبوت کا مجمع سماع حدیث کے لیے اپنے شیخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے موجود رہتا۔ دمشق، بصرہ، کوفہ، نیشاپور، بخارا، سمرقند اور دوسرے اسلامی ممالک میں فنِ حدیث کے ساتھ اشتغال کا جو حال رہا، اس کی تفصیلات قلم بند کرنے کے لیے ایک ضخیم دفتر کی ضرورت ہے۔

برصغیر ہند میں فن حدیث کی آمد

نکتے کی بات یہ ہے کہ اگر ایک اسلامی ملک میں فن حدیث کی مشغولیتیں زوال پذیر ہو جاتیں تو سنت الٰہی کے مطابق یہ بار امانت کسی دوسری اسلامی مملکت کے کندھوں پر ڈال دیا جاتا، یوں درسِ حدیث کی سرگرمیوں اور دلچسپیوں کا یہ مبارک سلسلہ وہاں شروع ہو جاتا(2)۔ ساتویں، آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں مصر حدیث وفقہ وادب اور دیگر اسلامی علوم و فنون کا عظیم مرکز رہا۔(3) صرف حدیث وفقہ کی تعلیم کے لیے بڑے بڑے جامعات اور مدارس قائم ہوئے، جہاں سے حدیث وفقہ کے یکتائے روزگار رجال کار تعلیم پا کر نکلے۔ حدیث وفقہ کے حوالے سے جن کی محققانہ کاوشوں اور بصیرت افروز تصانیف سے امتِ مسلمہ ہمیشہ ان کے احسانات کے زیرِ بار رہے گی۔ لیکن بدقسمتی سے مصر میں بھی اسلامی علوم و فنون کے ابلتے ہوئے سوتے خشک ہوتے چلے گئے جس کے نتیجے میں طلب علم خصوصاً فن حدیث میں نشرواشاعت کی مشغولیتیں سرد ہو کر دھیرے دھیرے دوسرے اسلامی ممالک میں منتقل ہو گئیں(4)۔ ہندوستان جن میں خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ہندوستان میں فنِ حدیث کی ترویج واذاعت کا "انتقال اقتدار" اس فن میں نئی نئی گراں قدر تحقیقات اور نادر مواد کے اضافے کا سبب بنا۔ ہندوستان کے اربابِ حدیث کی نکتہ آفرینیوں نے حدیث کے گیسوے تابدار کو اور تابدار کرنے اور تحقیق و تدقیق کے حوالے سے اسے نئی آب و تاب بخشنے میں جو کاوشیں کیں، برصغیر تو کیا سرزمینِ عرب خود جس کے دامنِ وسیع میں فن حدیث کے نابغہ روزگار ائمہ حدیث موجود تھے سے خراج تحسین وصول کیا۔ ہندوستان کی علمی تاریخ خصوصاً علامہ عبدالحی لکھنوی کی "الثقافة الاسلامية في الهند" پر ایک اُچٹتی ہوئی نگاہ ڈالنے کے بعد ایسے محدثین کی ایک غیر معمولی تعداد سامنے آتی ہے جن کے محققانہ طریقہ تدریس و تصنیف اور ذہنی صلاحیتوں اور پھر ان کے وسیع و عریض حلقہ ہائے درس حدیث کی آوازِ بازگشت جب عالم عرب میں سنائی دیتی ہے تو وہاں کے علمی حلقوں میں ہلچل سی برپا ہو جاتی ہے۔ ان میں سے بعض محدثین عرب میں توطن پذیر ہوئے اور برس ہا برس اپنے چشمۂ فیضِ رواں سے طالبانِ علوم نبوت اور وہاں کے مقامی شیوخ حدیث تک کو سیراب کرنے کے مواقع فراہم کرتے رہے۔

فنِ حدیث مجدد الف ثانیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے دور میں

یہ تو مجدد الف ثانی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ کے عہد سے بہت پہلے کی باتیں ہیں۔ فنِ حدیث کے حوالے سے ہندوستان کی زرخیز زمین پر حقیقی اور منہ زور بیداری کا نقطہ آغاز شاہ ولی اللہ کے عہد سے ہوتا ہے۔ اس سے پیشتر مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے دائرہ تجدید کے حدودِ اربعہ میں بعثتِ نبوی کی غرض وغایت اور اس کے اسرار ورموز کی ایک نئے انداز میں تشریح و تفہیم کا اہم کارنامہ بھی آتا ہے، لیکن ان کی اصلاحی کاوشوں کا دائرہ اتنا وسیع الجہات تھا کہ ان کی حیاتِ مستعار کی گرم جوشیوں اور ہنگامہ پروریوں نے انہیں فنِ حدیث پر یک سوئی اور دل جمعی کے ساتھ کام کرنے کا موقع نہیں دیا، اس کے باوجود ان کے مکتوبات میں سیکڑوں صفحات پر علومِ نبوت کے اسرار ورموز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور پیش بہا معلومات پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ان کے بعد فن حدیث میں تحقیق وتدقیق اور ہندوستان میں اس کی بڑے پیمانے پر نشرواشاعت کے حوالے سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسی نابغہ شخصیت کی کاوشیں بھی ناقابل فراموش ہیں۔انہوں نے اپنی ساری کوشش وصلاحیت اس علم کی نشرواشاعت پر صرف فرمائی۔ فن حدیث کی نشرواشاعت میں ان کی جدوجہد اور کوششیں اپنے پیشرووں سے اس قدر ممتاز ونمایاں رہیں کہ لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ فن حدیث کو ہندوستان میں سب سے پہلے لانے والے یہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہیں۔بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی:

"انہوں نے تنگ وتاریک ماحول میں علوم دینیہ کی ایسی شمع روشن کی کہ دور دور سے لوگ پروانوں کی طرح کھنچ کران کے گرد جمع ہونے لگے۔درس حدیث کا ایک نیا سلسلہ شمالی ہندوستان میں جاری ہوگیا۔"(5)

لیکن اس دور میں طوفان کی طرح اٹھنے والے فتنوں اور یورشوں نے انہیں فن حدیث پر جم کر کام کرنے اور اس کی نشرواشاعت کا وہ موقع نہیں دیا جس طرح ہونا چاہیے تھا بعینہ ایسے ہی حالات سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو دوچار ہونا پڑا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مجدد الف ثانی، شیخ عبدالحق اور شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ سے پیشتر برصغیر کے اربابِ حدیث نے آثارِ نبوت کی نشرواشاعت میں جتنا بڑا کام کیا مشکل ہی سے مصر کے علاوہ کسی دوسرے اسلامی ملک کی اسلامی حکومت اس کی نظیر پیش کرسکے گی۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی آمد اور فن حدیث میں ایک نیا انقلاب

لیکن ان نامور محدثین مصلحین کی ذاتی اور انفرادی کاوشوں سے برصغیر میں حدیث کے ساتھ وہ اشتغال ومناسبت اور اشاعت وتدریس میں اس جذبے،اس امنگ اور اس ولولے کی لہر پیدا نہیں ہوسکی جس کی توقع تھی، مولانا ندوی مرحوم نے اس کا ایک سبب یہ لکھا ہے کہ:

"ان حضرات کا علمی رابطہ حرمین شریفین اور ان مقامات سے قائم نہیں ہوسکا تھا،جو حدیث کے درس وتدریس وخدمت واشاعت کے مرکز تھے،اور ان پر (جیسا کہ درسِ نظامی کی تاریخ اور کتبِ سوانح وتذکرہ سے ظاہر ہوتا ہے) علوم حکمت اور علوم دینیہ میں اصولِ فقہ کا غلبہ تھا۔"(6)

اس خوابِ گراں کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے سرزمینِ ہند ایک ایسی شخصیت کی منتظر راہ تھی جو آیۂ رحمت ﷺ کی ذاتِ اقدس سے سرفروشانہ شیفتگی اور اس کی روشن تعلیمات کی نشرواشاعت پر اپنی تمام تر ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں صرف کرنے کا جذبۂ خالص اور عزم مصمم رکھتی ہو، اور جس نے اس اہم ومبارک فریضے کی ادائیگی کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا ہو۔ برصغیر کے اس قطعہ ارضی پر ایسی یکتائے زمانہ شخصیت بارہویں صدی ہجری میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی ذات میں جلوہ گر ہوئی۔ان کا دل احیاء سنت، حدیث کی حفاظت اور نشرواشاعت کی ان ہی امنگوں، ان ہی جذبوں اور ولولوں سے معمور تھا جن سے برصغیر نے امیدیں باندھی تھیں۔شاہ صاحب نے ہمت وجواں مردی سے کام لے کر اس زوال پذیر فن کو کاندھا دے کر جس اجتہادی شان کے ساتھ بامِ عروج کو پہنچایا،وہ ان کے صحیفۂ زندگی کا ایک روشن عنوان ہے۔

آپ نے فن تفسیر میں "بیضاوی" حدیث میں "مشکاۃ"، "صحیح بخاری"، "شمائل ترمذی"، اصول فقہ اور دیگر علوم وفنون کی اہم کتابیں اپنے والد ماجد جو خود ایک ثقہ وجید عالم دین تھے سے پڑھیں (7) چونکہ فن حدیث کے ساتھ خاص مناسبت تھی، اس لیے اس جذبۂ فروزاں نے آپ کو سرزمین حجاز جہاں اپنے وقت کے بڑے بڑے شیوخ حدیث موجود تھے کا سفر اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ یہاں کے طویل قیام میں

© rasailojaraid.com

آپ نے شیخ ابو طاہر مدنی اور دوسرے مشائخ حرمین کی صحبتوں سے استفادہ کیا۔ علم حدیث کا وسیع اور گہرا مطالعہ کرنے کا یہیں رہ کر آپ کو موقع ملا اور اس کے شیوخ کاملین سے اس فن کی تکمیل کی۔ ہندوستان کی طرف آپ نے مراجعت اس حال میں اختیار کی کہ آپ کا سینہ علومِ نبوت کے انوار اور رموز و اسرار سے لبریز تھا۔ ہندوستان آتے ہی آپ نے آثار نبوت کی نشر و اشاعت کے لیے کمر کس لی اور اپنے والد صاحب کے مدرسے رحیمیہ میں درس شروع کیا۔ جو بہت جلد ہندوستان کے طول و عرض میں حدیث کی سب سے بڑی درس گاہ بن گئی۔ جہاں اطراف و اکناف سے کھنچ کھنچ کر تشنگان علم حدیث نے پروانہ وار ہجوم کیا۔ یہ ہندوستان میں درسِ حدیث کا پہلا باضابطہ مدرسہ تھا۔

آپ کا طریقہ درس حدیث

شاہ صاحب پر ان کے محبوب و محسن استاد شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم الکردی کے رجحانات اور تحقیقات کا اثر تھا، ان ہی رجحانات اور اپنے شیخ کے مزاج و مذاق کے زیر اثر آپ نے درس حدیث کا وہ اسلوب اختیار کیا جو آپ کو عظیم شیخ سے ورثے میں ملا تھا۔ مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم لکھتے ہیں:

> ''صحاحِ ستہ، حدیث نبوی کی مشہور مسلمہ کتابوں کو ایک ہی سال میں بطریقہ سرد پڑھانے کا قاعدہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی مدینہ منورہ سے سیکھ کر ہندوستان تشریف لائے تھے، اور اسی طریقے کو آپ نے جاری کیا۔
> طریقہ یہ تھا: کہ حدیثوں کے معانی و مطالب و مشکلات وغیرہ کے متعلق جو کچھ پڑھانا ہوتا، وہ مشکوٰۃ شریف میں پڑھا دیا جاتا، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا تو قاعدہ تھا کہ ایک دن مشکوٰۃ شریف کی حدیثیں پڑھاتے اور دوسرے دن، ان ہی حدیثوں کے متعلق علامہ طیبی کی شرح کا درس طلبہ کو دیتے۔ اسی طرح مشکوٰۃ جب ختم ہو جاتی تھی، تب دوسرے سال رسول اکرم ﷺ سے صحاح کی حدیثوں کی سند کو متصل کرنے کے لیے مشکوٰۃ ہی کی حدیثوں کو جو اس میں بغیر سند کے پڑھائی گئی تھیں، اب سند کے ساتھ اس طور پڑھاتے تھے کہ طالب علم حدیثوں کو پڑھتا جاتا اور استاذ سنتا جاتا، بیچ بیچ میں خاص خاص اہم بات کا ذکر ضروری معلوم ہوا تو ذکر کر دیا گیا، یوں روزانہ پانچ ورق چھے ورق ہو جاتے (8)۔''

تطبیق بین مذاہب الفقہ

فقہاء اربعہ کے درمیان مسائل میں باہم اختلاف جو ان کی متدل احادیث میں تعارض کے زیر اثر پیدا ہوتا ہے شاہ صاحب نے ان میں تطبیق کی جو معتدل اور خوش گوار راہ دریافت کرنے کا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے، ایسی اچھوتی کاوش متقدمین و متاخرین دونوں کے ہاں نہیں ملتی۔ آپ نے کسی ایک مذہب کی تقلید کا طوق یوں گلے میں ڈالنے کو شدید تعصب اور ناروا خیال کیا جس میں دوسرے فقہی مذاہب کو قطعاً قابل اتباع تصور نہیں کیا جاتا۔ اس لیے آپ نے مذاہب فقہا میں سے ایک کو دوسرے پر برتری اور ترجیح دینے کو ناپسند خیال کیا۔ آپ کے نزدیک مناسب یہ تھا کہ ان کو بالاجمال قبولیت کی نظر سے دیکھا جائے اور پیروی اس کی کی جائے جو صریح اور مشہور سنت کے موافق ہو۔

چلتے چلتے شاہ صاحب کے بارے میں یہ بات بھی نقل کیے دیتا ہوں کہ ہندوستان میں آپ وہ پہلے شخص ہیں جس نے بخاری کے تراجم ابواب پر دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی کے ساتھ نظر ڈال کر ایک نئے انداز میں تشریح و تفہیم کی بنیاد رکھی۔ جس نے بعد میں آنے والے اربابِ حدیث کے لیے تراجم ابواب پر مزید کام کرنے کی راہ ہموار کی۔

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ

آپ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند علوم و فنون بالخصوص فن حدیث میں ان کے وارث حقیقی تھے۔ آپ نے اپنے

© rasailojaraid.com

والد ماجد کے مشن کی تکمیل کس خوش اسلوبی اور جاں فروشی سے کی؟ مولانا ندوی مرحوم لکھتے ہیں:

"جہاں تک درس حدیث اور اس کی ترویج واشاعت کا تعلق ہے ہندوستان کی علمی ودینی تاریخ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ آپ کے درس حدیث کی مدت ساٹھ سال کی ہے۔ آپ نے نہ صرف صحاح کا درس دیا اور بستان المحدثین، العجالۃ النافعہ جیسی مفید کتابیں تصنیف کیں جو حدیث کا صحیح ذوق اور طبقات حدیث سے واقفیت اور محدثین کا مرتبہ شناس بناتی اور اصول سے واقف کرتی ہیں اور جن میں سیکڑوں صفحات کا عطر آگیا ہے۔ آپ نے حدیث کے ایسے اساتذہ کاملین اور تلامذہ راشدین پیدا کیے جنہوں نے ہندوستان ہی میں نہیں حجاز میں بھی درس حدیث کا فیض عام کیا اور ایک عالم کو مستفید کیا(9)۔"

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کا پایہ فقہ حنفی میں بہت بلند تھا اس میں ان کو رسوخ اور کامل تفقہ کا درجہ حاصل تھا۔ بعض اہل نظر کے نزدیک وہ اس میں شاہ ولی اللہ سے بھی فائق تھے۔ شاہ صاحب کے بعد آج تک ہندوپاک میں جتنے جلیل القدر محدثین پیدا ہوئے ان ہی سے شرف انتساب رکھتے ہیں جن کے حلقہ ہائے درس کے نور سے سارا پاک وہند معمور ہے۔

محدث کبیر حضرت مولانا سلیم اللہ خان أطال اللہ عمرہ کے الفاظ میں:

"حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے علوم دینیہ کی جس نشاط ثانیہ کی بنیاد ڈالی تھی شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس کی تکمیل کی اور علم کا ایسا معیار قائم فرمایا جس سے علوم دینیہ کی ایک خاص عزت اور وقار قائم ہو گیا(10)۔"

اصول حدیث اور محدثین کے طبقات میں آپ کو جس وسیع النظری اور بے پناہ درک سے نوازا گیا، اس میں آپ اپنے والد ماجد پر سبقت لے گئے۔ تاہم درس حدیث میں آپ کا جو طریقہ رہا، اس حوالے سے آپ اپنے والد ماجد کے نہج پر قائم رہے۔

شاہ محمد اسحاق اور شاہ محمد یعقوب رحمہما اللہ

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ذوق خاص، درس حدیث، اجازت واسناد اور علوم دینیہ کی نشرواشاعت میں آپ کے جانشین آپ کے دونوں نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق (1197ھ،1262ھ) اور شاہ محمد یعقوب (سنہ 1200ھ،1282ھ) رحمہما اللہ تھے۔ جو شاہ محمد افضل کے صاحب زادے تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے حضرت شاہ محمد اسحاق کو اپنا جانشین بنایا، اور اپنی تمام کتابیں اور گھر وغیرہ آپ ہی کو ہبہ کر دیا۔ آپ شاہ صاحب کی وفات کے بعد ان کی مسند درس پر بیٹھے اور سنہ 1239ھ سے لے کر سنہ 1258 تک دہلی میں اور سنہ 1258ھ سے (جب آپ نے مکہ معظمہ ہجرت کی) سنہ 1262ھ تک حجاز مقدس میں حدیث کی تدریس وخدمت میں منہمک رہے اور ہندوستان کے صدہا علما نے آپ سے حدیث کا درس لیا اور بڑے بڑے علما واساتذہ حدیث نے بلاد وامصار سے آکر آپ سے استفادہ کیا اور حدیث کی سند لی۔ شاہ محمد یعقوب صاحبؒ نے بھی دہلی میں ایک مدت تک درس وافادہ کا سلسلہ جاری رکھا، پھر اپنے بڑے بھائی شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ سنہ 1258ھ میں مکہ معظمہ کی ہجرت کی اور وہیں متوطن ہو گئے (11)۔

فن حدیث میں دارالعلوم دیوبند کے ارباب حدیث کی عظیم خدمات اور ان کا طریقہ درس حدیث

حضرت شاہ محمد اسحاق کے تلامذہ میں حضرت شاہ عبدالغنی مہاجر مدنیؒ بھی شامل ہیں، ہندوستان کے کبار علما واساتذہ حدیث کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے جن کے ذریعے سارا ہندوستان حدیث کے انوارات وتجلیات سے معمور ہو گیا۔ موجودہ دور کے سارے حلقہ ہائے درس اور مدارس وجامعاتِ عربیہ آپ ہی سے شرف انتساب رکھتے ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

© rasailojaraid.com

(بانیانِ دارالعلوم دیوبند) آپ کے نامور تلامذہ میں سے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند (جو حدیث و فقہ میں بیش بہا تحقیقات اور نئے امکانات کا سرچشمہ بن کر طلوع ہوا) کے اغراض و مقاصد کے وسیع کینوس میں احیاسنت اور احادیث نبویہ کی تشریح و تفہیم (بالخصوص فتنۂ انکارِ حدیث اور سلفی طبقے کے اس پروپیگنڈے کے زیر اثر کہ مذہب حنفی کی عمارت حدیث کے مقابلے میں ظن و تخمین کی بنیاد پر تعمیر ہوئی ہے) کو اس طور امت کے سامنے پیش کرنا اولین نصب العین کی حیثیت حاصل رہی کہ احادیث نبویہ ہی دراصل مذہب حنفی کی بنیاد اور اس کا اصل سرچشمہ ہیں۔ چنانچہ مسندِ حدیث کو یکے بعد دیگرے زینت بخشنے والے دیوبند کے شیوخِ حدیث نے اس تاثر کو زائل کرنے کے لیے اپنی خداداد تخلیقی صلاحیتوں کی روشنی میں فقہ حنفی کے لیے حدیث کے ٹھوس مستدلات اور ماخذ تلاش کرنے کی داغ بیل ڈالنے کا عزم باندھا۔ تلاش و تجسس کے اس عمل کے زیر اثر رہ کر فن حدیث میں آہستہ آہستہ ایک نئے طرزِ تحقیق کے خدوخال نکھرنے لگے۔ تشریح و درسِ حدیث کا ایک نیا انداز پھوٹا۔ یہی نہیں ان شیوخ حدیث کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں ان کے تلامذہ میں سے محدثین کی ہر دور میں نئی پود تیار ہوئی جنہوں نے خاموشی اور استقلال کے ساتھ اپنے اساتذہ کے نقوش ہائے علم کو اپنے تخلیقی اور اجتہادی شعور میں حل کرنے کا عمل جاری رکھا۔ چنانچہ ان کی دائم مساعی اور بے لوث کاوشوں کے اثرات سے نہ صرف علمی حلقے فنون و معارف سے لبریز ہوگئے بلکہ معاشرے کے عام افراد میں بھی اپنی زندگی کو نبوی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے کا جذبہ ابھرنے لگا۔ خصوصاً درس حدیث کی راہ سے حنفی مذہب کی ترویج و اشاعت اور اس کے مخالفین کی سرگرمیوں کو ناکامی کے گھاٹ اتارنے کا جو کارنامہ انہوں نے انجام دیا، وہ ہندوستان کی علمی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ چنانچہ مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم لکھتے ہیں۔

> ”ہندی مسلمانوں کی دینی زندگی کو رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کے مخالف ثابت کرنے کی کوشش ملک کے مختلف گوشوں میں جاری ہوئی اور ان مسلمانوں کے پیشوا امام حضرت امام ابو حنیفہ کو لعن طعن کا نشانہ چاروں طرف سے بنالیا گیا تھا، تو گو بذات خود اس تحریک کو آپ جو کچھ بھی قرار دیں، لیکن خیر کا بہترین پہلو اس شر سے یہ نکل آیا کہ جس ملک میں رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں سے زیادہ فقہاء کے اقوال اور فتووں کو اہمیت دینے کا دستور چلا آرہا تھا، اس میں ایک نئی علمی ہلچل پیدا ہوگئی، اور حنفی علما کے ایک طبقے نے سنجیدگی کے ساتھ واقعی حنفی مذہب کے مسائل کا کتاب و سنت سے بغیر کسی جانب داری کے مقابلہ کرکے جائزہ لینا شروع کیا، ان کی سعی اس بارے میں مشکور ہوئی، اور امام ابو حنیفہ کے خلاف بہتان کا جو طوفان اٹھایا گیا تھا، ان کی کوششوں سے خدا خدا کرکے بیٹھ گیا، انہوں نے حنفی مذہب کے ایک ایک جزئیہ کے متعلق احادیث و آثار کا ذخیرہ جمع کرکے رکھ دیا، کتابیں بھی لکھی گئیں، لیکن کتابوں سے زیادہ موثر اور کارگر مفید طریقہ اس راہ میں حدیثوں کے درس کا دیوبندی طریقہ ثابت ہوا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ بلاخوفِ تردید ہم کہہ سکتے ہیں کہ حنفی مذہب کا کوئی ایسا جزئیہ نہیں نکالا جاسکتا جس کے متعلق آپ کو دیوبندی درس کے پڑھے ہوئے مولوی حدیث اور آثار صحابہ سے تائیدی موادنہ پیش کرسکتے ہوں (12)۔“

> ”اب ایک حنفی مذہب پر جو عمل کرتا ہے، وہ صرف امام ابو حنیفہ کا فتوی اور ان کی رائے ہی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی جانتا ہے کہ یہی اقتضا فلاں فلاں حدیثوں کا بھی ہے اور یہی طرز عمل رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کا تھا (13)۔“

آگے جاکر لکھتے ہیں:

> ”الغرض حدیث کے درس کے اس دیوبندی طریقے نے مسلمانان ہند کے دینی تعلقات کو دین کے اصل سرچشموں اور حقیقی بنیادوں (الکتاب والسنۃ) کے ساتھ وابستہ کرکے نئے سرے سے پھر تروتازہ اور شگفتہ کردیا (14)۔“

© rasailojaraid.com

اور حقیقت یہ ہے کہ اس کام کا بیڑا سب سے پہلے رئیس المحدثین فقیہ النفس حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اٹھایا اور یہی حدیث کے درس کے دیوبندی طریقے کے واضع ہیں۔ حدیث کے درس کا یہ دیوبندی طریقہ کیا تھا؟ جس کی طرف مولانا گیلانی مرحوم نے اشارہ کیا ہے۔ یہ جاننے کے لیے تھوڑی دیر چشم تصور میں ہمیں سب سے پہلے اسی دیوبندی طریقہ درس کے واضع اور محدثِ کبیر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے حلقہ درس حدیث میں حاضر ہونا پڑے گا۔

فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا طریقہ درس

اپنے وطن مالوف گنگوہ میں مسلسل تیس سال تک درس حدیث کا چراغ روشن کرنے اور ایک عالم کو اپنے باطنی اور ظاہری علوم و کمالات سے فیض یاب کرنے والے فقیہ النفس حضرت گنگوہی کے درس حدیث کی خصوصیات و مزایا کا ذکر کرتے ہوئے صاحب "تذکرۃ الرشید" مولانا عاشق الہی میرٹھی رقم طراز ہیں:

"آپ کی قوت اجتہادیہ، قابلیت، خوبیٔ تطبیق وارتباط، جودت ذہن، اتقان وعدالت، حافظہ وثقاہت، تقدس و تبحر فراست وہمہ دانی، حلم ورفق، لطف، وشفقت، خندہ روئی وگرم گستری مسکین نوازی اور طلبہ کی گستاخی و بے جا حرکات پر صبر و تحمل غرض جوادا تھی وہ حق بینی کے بار آور درخت کا پھل اور بخاری وقت ہونے کی حیثیت سے تحدیث کے سدا بہار گلاب کا پھول تھی، حضرت کی تحدیث میں یہ خاص برکت تھی کہ مضمون حدیث سن کر اس پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو جاتا تھا۔ یہ خاص روحی اثر اس کا پتہ دے رہا تھا کہ یہ تحدیث کتابی نہیں ہے بلکہ حضرت قدس سرہ کے چشمان دل صفا منزل کے سامنے ایک آئینہ لگا ہوا ہے جس میں صاحب حدیث علیہ السلام کے انوار کا عکس پڑتا ہے۔ آپ کی تدریس میں ایسا محویت کا عالم ہوتا تھا کہ بے اختیار دل خواہش کرتا کہ کاش تقریر کا سلسلہ دیر تک ختم نہ ہو تقریر ایسی سلیس وعام فہم ہوتی کہ عامی لوگوں کو بھی حرفاً حرفاً سمجھ میں آجاتی اور دل کے کواڑ کھولتی چلی جاتی تھی۔ اسنادِ حدیث کے متعلق پوری تحقیق فرماتے تھے۔ اختلافاتِ احادیث اور تعارض کے متعلق مختصر مگر جامع تطبیق فرماتے تھے کہ ذرہ برابر کلجھٹ اور حبہ برابر الجھن نہ رہتی تھی۔"

"حضرت امام ربانی صحاح میں سب سے پہلے عموماً ترمذی شریف شروع کراتے تھے اور مالہ وماعلیہ کی تحقیق کے ساتھ واضح تقریریں فرما کر طلبہ کے ذہن نشین کراتے تھے ہر ہر حدیث کا ترجمہ اور معنی مطابقی سلیس اور عام فہم الفاظ میں بیان فرماتے اور نفس مطلب کو ایسا کھول دیا کرتے تھے گویا پوست اور چھلکے سے مغز اور گودے کو نکال کر سامنے رکھ دیا، اس کے بعد احادیث کا کسی آیت قرآن سے تعارض ہوتا تو اس کو رفع فرماتے اور مطابقت ومناسبت ظاہر فرماتے۔ بقدر ضرورت اسماء رجال ذکر فرماتے، رواۃ کی تحقیق اور توثیق و تضعیف کرتے تھے اسناد میں ضروری جرح و تعدیل فرماتے اور اس کے بعد حدیث کی باب سے مناسبت بیان کرتے تھے۔ باہم عبارت اور سیاق و سباق میں ارتباط مخفی ہوتا تو اس کو کھولتے اور ایک مضمون کا دوسرے مضمون سے ربط دیتے جاتے تھے اگر کوئی حدیث دیگر کتب حدیث کے معارض ہوتی تو ان کو تطبیق دیتے۔ اصول حدیث اور اصول فقہ کے نکات اور عبارت کے اشارات بھی بیان فرماتے تھے مشکل مقامات کو متنبہ کر کے کئی کئی بار بیان فرماتے (15)۔" "ترمذی شریف کے ختم ہونے پر صحاح کی دوسری کتابیں ہوتی تھیں۔ ان کتابوں کے درس میں حدیث کا ترجمہ ہوتا تھا صرف جو حدیث نئی یا مولف کی عبارت آتی اس کی توضیح مثل بیان گزشتہ فرماتے اور باقی حدیثوں کی قرات پر اکتفا فرمایا کرتے تھے (16)۔"

© rasailojaraid.com

"حضرت امام ربانی قدس سرہ کا درس کچھ عجیب ہی درس تھا ہمیشہ طلبا کی استعداد کے موافق کلام کرتے اور ہر شاگرد کی قابلیت اور سمجھ کے انداز پر گفتگو فرماتے تھے، اس میں شک نہیں کہ آپ کا درس اس زمانے کے تمام اساتذہ میں طلبہ کے لیے سب سے زیادہ نافع اور مفید رہا، عقدہائے مشکلہ اور عبارات مغلقہ کو بسہولت حل کرتے اور سہل ترین الفاظ میں سمجھا دیا کرتے تھے۔ حدیث سے مسائل کا استنباط واستخراج فرماتے اور مذاہب بیان کیا کرتے تھے۔ دوسرے مذاہب کی کافی تقریر فرما کر امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی ترجیح بیان فرماتے اور شافی دلائل وبراہین سے اس درجے مدلل بناتے تھے کہ شمس فی نصف النہار روشن ہو جاتا تھا۔

آپ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ مجھے مذہب حنفیہ سے خاص محبت ہے اور اس کی حقانیت پر کلی اطمینان ہے۔ اس کے ساتھ ہی ترجیح مذہب کے وقت یہ ممکن نہ تھا کہ دوسرے مذہب کی توہین یا صاحب مذہب کی اہانت ہو اور اگر کسی طالب علم کا میلان اس جانب دیکھتے تو قولاً و عملاً اس کی اصلاح فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ نفس تقلید میں بھی تعصب کا حد سے بڑھنا آپ کو پسند نہ تھا۔ بعض طلبہ تشدد عصبیت میں محدثین سے بدظن ہو جاتے تو حضرت امام ربانی فوراً تقریر کا رخ پھیرتے اور کلام کا ڈھنگ بدل دیا کرتے تھے۔ جس وقت کسی طالب علم کی زبان سے کسی محدث پر اعتراض یا تنقیص شان کا کلمہ سنتے تو چہرے پر کراہت کا اثر پیدا ہوتا اور دوران سبق میں بجائے ترجیح مذہب حنفیہ مذاہب دیگر مثل امام بخاری رحمہ اللہ کی وجوہ ترجیح بیان فرمانے لگتے تھے تاکہ طلبہ کو محدثین کے ساتھ حسن ظن پیدا ہو جائے اور جہاں یہ بات پیدا ہو گئی فوراً ترجیح حنفیہ کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ حافظہ اس قدر قوی تھا کہ ایک کتاب میں کسی حدیث کا اگر دوسری کتاب کی کسی حدیث سے تعارض یا مناسبت ہوتی تو فوراً حوالہ دیتے اور بعض دفعہ صفحہ تک کا نشان بتادیا کرتے تھے (17)۔"

یہ تھی شیخ المحدثین حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ کے درس حدیث کی ایک جھلک۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تفقہ فی الحدیث کا جو پودا لگایا تھا، حضرت گنگوہی نے اسے تناور درخت بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ گو آپ کا درسِ حدیث مسلک حنفیہ کے دامن کو ٹھوس دلائل سے بھرنے، بظاہر مخالف احادیث کی نفیس توجیہات پیش کرنے، مذاہبِ فقہ میں تطبیق کی خوشگوار راہ ہموار کرنے اور ان جیسی دیگر گوناگوں خصوصیات کے امتزاج کا ایک حسین مرقع تھا۔

حضرت شیخ الہند اور ان کا اسلوبِ درس

دارالعلوم دیوبند کی صدارتِ تدریس اور مسندِ حدیث پر براجمان "مالٹا" کے اسیر مشہور اور ہندوستان میں "تحریک ریشمی رومال" کے بانی، نقیبِ حریت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے نام سے کون واقف نہیں۔ آپ علومِ قرآن وحدیث اور حقائق ومعارف سے سرشار اس نسبت کے حامل تھے جو حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادۂ علم وعرفان کا طرۂ امتیاز تھا۔ حدیث میں حضرت گنگوہی اور حضرت مولانا نانوتوی سے تلمذ تھا۔ حضرت گنگوہی اگر علوم قرآن وسنت اور تفقہ فی النفس کے امام تھے تو دوسری طرف حضرت نانوتوی معارف وحقائق اور اسرار شریعت وتکوین کے ناپیدا کنار بحر تھے۔ حضرت شیخ الہند ان دونوں چشموں سے سیراب تھے۔ آپ کا درس حدیث بھی بے پناہ خصوصیات اپنے اندر رکھتا تھا درس حدیث میں آپ کے دلچسپ طرز عمل کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا مناظر لکھتے ہیں:

"طالب علم حدیث پڑھتا جاتا اور آپ سنتے جاتے تھے دورہ حدیث میں ترجمہ بزبان اردو کا قصہ ختم ہو جاتا تھا اس لیے

© rasailojaraid.com

کہ مشکوٰۃ میں حدیث کا متن طلبہ پہلے پڑھ چکے ہوتے کہا جاتا ہے کہ دورہ میں شریک ہونے والے طلبہ، ترجمہ کی ضرورت سے بے نیاز ہوجاتے ہیں اسی لیے بطور "سرد" کے ایک حدیث کے بعد دوسری حدیث، دوسری کے بعد تیسری حدیث گزرتی چلی جاتی، لیکن کبھی کبھی "ہاں چلیے" کے سوا شیخ الہند کی زبان پر بمشکل کوئی لفظ آتا تھا گویا قطعی ایک خاموش درس تھا۔ جب کوئی ایسی حدیث آئی جو بظاہر مفہوم کے لحاظ سے قطعی طور پر حنفی مذہب کے خلاف ہوتی، اور پڑھنے والا طالب علم، خود رک کر دریافت کرتا یا دوسرے طلبہ پوچھتے "حضرت یہ تو امام ابو حنیفہ کے قطعاً خلاف ہے" جواب میں مسکراتے ہوئے بے ساختہ شیخ الہند کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلتے "خلاف تو ہے بھائی میں کیا کروں؟ ہاں آگے چلیے"، طالب علم عرض کرتا کہ حضرت آخر امام صاحب کی طرف سے کوئی جواب اس کا دیا گیا ہے؟ تمہاری کتابوں میں کچھ لکھا ہوگا پڑھ لینا" یہ فرما کر ٹال دیا جاتا، طالب علم مصر ہوتا کہ آپ اپنا خیال ظاہر کیجیے فرماتے "بھائی بڑے بڑے علما کے حواشی تو تمہاری کتابوں پر چڑھے ہوئے ہیں، ان کو پڑھ لو" طلبہ کا اصرار جب حد سے تجاوز کر جاتا، تب نہایت مجمل الفاظ میں کچھ اجمالی اشارات فرما دیتے۔"

لیکن یہ اشارے کتنے دقیق اور پر مغز ہوتے مولانا آگے لکھتے ہیں:

"اس وقت ان اشاروں کی اہمیت محسوس نہ ہوتی تھی لیکن کم از کم اپنی حد تک فقیر یہ کہہ سکتا ہے کہ زندگی میں بعد کو پڑھنے پڑھانے، لکھنے لکھانے کے طویل مواقع جو ملے، بغیر مبالغہ کے عرض کر رہا ہوں کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ان اجمالی اشاروں کا وزن روز بروز دل میں بجائے کم ہونے کے بڑھتا ہی چلا گیا، ایک نہیں، خلافیات کے سلسلے میں بیسیوں مسائل میں آخری تحقیقی بات وہی ثابت ہوئی، جن کی طرف حضرت شیخ الہند اجمالی اشارے فرما دیا کرتے تھے۔ خام علم والے طلبہ پر ان پختہ باتوں کا ابتدا میں کم اثر ہوتا، وہ پھر اعتراض کرتے، شیخ الہند زیادہ گہرے ہوجاتے، اور یوں آہستہ آہستہ طالب علموں کو فکر و تحقیق کا خاص طریقے سے وہ عادی بناتے۔ سچ تو یہ ہے کہ کمال بے نفسی کے بغیر اس قسم کے درس کی ہمت عام مدرسین میں شاید پیدا نہیں ہوسکتی، اس مناظراتی طریقہ تدریس نے بالآخر مجھے اس فیصلے تک پہنچا دیا کہ یہ پیر سال خوردہ حد سے زیادہ ثاقب ذہن کا مالک ہے (19)۔"

اثنائے درس سکوت کے پیہم تسلسل پھر طالب علم کے استفسار کے باوجود اپنی کارائے نہایت بلیغ پیرائے میں اظہار کرنے سے آپ کا منشا طلبہ میں خوئے تجسس اور استعدادِ عمل پیدا کرنا تھا۔ حضرت گیلانی مرحوم نے جو کچھ لکھا ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الہند خود اپنی طرف سے بہت کم کہا کرتے تھے، طالب علم ہی جب پوچھتا اور پوچھنے میں استفساری لہجہ اصرار کی حدوں کو چھونے لگتا تب جواباً کچھ کہتے۔ آگے جاکر خود مولانا گیلانی مرحوم کو شیخ الہند کے اس طرز عمل نے کتنا فائدہ پہنچایا؟ وہ انہی کی زبانی سنیے:

"خلافیات میں چالیس برس گزر جانے کے بعد سوال وجواب کے وہ سلسلے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب تک دل و دماغ میں تروتازہ ہیں، ان کی بتائی ہوئی گھاتیں اور سکھائے ہوئے پینترے اپنی آئندہ تعلیمی و تدریسی زندگی میں ہمیشہ دست گیری کرتے رہے، علاوہ تمام مباحث و مسائل کے کبھی کبھی ایسے عمیق نکتے سننے میں آجاتے تھے کہ آج بھی ان کو سوچ کر سر دھنتا ہوں (20)۔"

بخاری کے ابواب وتراجم پر گہری نظر

بخاری کے ابواب وتراجم (جہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی اپنی انتہائی شکل میں جلوہ گر نظر آتی ہے) محدثین کے

© rasailojaraid.com

ہاں ہر دور میں ان کی خصوصی توجہات اور دلچسپیوں کا مرکز رہے ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے بھی بخاری کے تراجم کو اپنی بحث کا موضوع خاص بنا کر معلومات افزا رسالہ تخلیق کیا، تاہم حضرت شیخ الہند کے درس میں بخاری کے تراجم سے متعلق جو جدید اسرار و رموز اور علوم و معارف سامنے آئے، وہ ان کی دقت نظری اور علمی حذاقت پر شاہد ہے مولانا گیلانی مرحوم درس بخاری میں حضرت شیخ الہند کے اسی نمایاں وصف کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"سیدنا شیخ الہند کی ژرف نگاہی اور ان کے حکیمانہ نقطہ نظر کا سب سے زیادہ تجربہ اس وقت ہونے لگا، جب بخاری شریف شروع ہوئی۔ بخاری کے مہمات میں جیسا کہ جاننے والے جانتے ہیں سب سے زیادہ اہم تراجم ابواب کا معاملہ ہے۔ قرآنی آیات میں مناسبت اور باہمی ربط جیسے قرآن کی سب سے بڑی حکمت ہے، اسی طرح امام بخاری کے تراجم ابواب کا رنگ بھی قریب قریب وہی ہے، بظاہر بے ربطی ہی میں ربط کا راز پوشیدہ ہوتا ہے۔ لیکن ہر باب کی حدیثوں کا باب کے تراجم سے کیا تعلق ہے، شاید جس دن سے یہ کتاب اہل علم کے حلقے میں پیش ہوئی، حل کرنے والے، تراجم ابواب کے اس معمے کو حل کرنے میں منہمک ہیں۔ ہزار سال سے زیادہ مدت میں سوچنے والوں نے اس سلسلے میں جو کچھ سوچا اور لکھا ہے، کتابوں میں عموماً وہ محفوظ ہے، لیکن بایں ہمہ اہل بصیرت یہی کہتے چلے آرہے ہیں کہ امت پر بخاری کا جو قرض چڑھ گیا ہے اس کے اتارنے میں، جیسا کہ چاہئے، اب تک صحیح معنوں میں کوئی کامیاب نہیں ہوا ہے۔ حافظ الدنیا علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی شرح بخاری دوسرے پہلوؤں سے جس حد تک بھی مکمل شرح ہو، لیکن تراجم ابواب کا قصہ ان کی شرح کے بعد بھی یہی سمجھا جاتا ہے کہ ہنوز تشنہ ہے۔"

"حقیقت یہ ہے کہ جس وقت تراجم ابواب کی بحث شیخ الہند کے حلقے میں چھڑ جاتی تھی، تو حضرت والا پر بھی خاص حال طاری ہو جاتا تھا، اور سننے والے بھی محو حیرت بن جاتے تھے، وجد کی سی کیفیت میں معلوم ہوتا تھا کہ سارا مجمع ڈوب گیا ہے "کأن علیٰ رؤسهم الطير" کا منظر قائم ہو جاتا تھا۔ خود وہ بھی کھل جاتے تھے اور سننے والے بھی کھلے جاتے تھے، نئے معارف، جدید حقائق جو نہ کبھی سنے گئے اور نہ پڑھے گئے، معلوم ہوتا تھا کہ ان سے پردے ہٹ رہے ہیں، دل کی گرہیں واہوتی چلی جاتی ہیں۔

اپنے تراجم میں امام بخاری کا قاعدہ یہ ہے کہ قرآنی آیتوں کو حسب ضرورت شریک کرتے چلے گئے ہیں۔ اس بہانے سے ان قرآنی آیتوں کے نئے پہلوؤں کے جاننے ہی کا موقع نہیں ملتا تھا، بلکہ قرآن فہمی کی نئی راہیں بھی کھلتی تھیں۔ اور میں کیا بتاؤں کہ ترمذی شریف کے درس کے بعد بخاری شریف کا درس جب شروع ہوا تو دل کے لیے بھی اور دماغ کے لیے بھی کیسی لذیذ خوراکیں ملنے لگیں، ایسی خوراکیں جو منطق کی کسی کتاب میں ملیں نہ فلسفے میں، نہ ادب میں اور نہ کسی اور فن میں ملی تھیں (21)۔"

اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معارض روایات میں تطبیق، اور مشکلات حدیث میں دلپذیر توجیہ کی ایک امتیازی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ موجودہ دور میں در حقیقت اسنادِ حدیث کا مدار بھی آپ ہی پر ہے۔ قسام ازل نے تلامذہ بھی ایسے دئیے تھے جو فکر و نظر اور علم عرفان کے ہر شعبے میں اپنے کارہائے نمایاں کی بنیاد پر ایک خیرہ کن اور تابناک تاریخ رقم کر گئے۔

خاتمۃ المحدثین حضرت سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

مولانا انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ جو بلاشبہ اپنی حیرت انگیز ذہنی و علمی صلاحیتوں کے پیش نظر ابن حجر ہند کہلائے جانے کے مستحق ہیں شیخ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الہندؒ ہی کے دامنِ فیض سے وابستہ تھے۔ حدیث ہو یا فقہ و تفسیر، شاعری ہو یا ادب، تاریخ ہو یا فلسفہ و منطق، علم و فن کے ہر شعبے میں ہر شاخ میں شیخ الہند کے بعد انہی کو مرجعیت حاصل تھی۔ حضرت شیخ الہند نے سنہ 1915ھ میں حجاز کے سفر پر روانہ ہونے کے وقت شاہ صاحب کو ان کی خداداد صلاحیتوں کے زیر اثر رہ کر مسند حدیث پر اپنی جانشینی کا استحقاق بخشا۔

حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اپنے ذوقِ علمی، شوقِ مطالعہ، وسعتِ علم، بلندیٔ فکر، قوتِ حافظہ، دَرّاکی ذہن اور اپنی ذکاوت و ذہانت میں بے نظیر تھے۔ بالخصوص فن حدیث غیر معمولی درک و بصیرت اور متونِ حدیث پر تحقیقی و تنقیدی نظر رکھنے میں برصغیر میں ان سے پہلے ایسی ہمہ جہت شخصیت پیدا ہو سکی، نہ بعد میں آنے کی امید کی جاسکتی ہے۔ شاہ صاحب کے صحیفۂ زندگی کا سب سے نمایاں عنوان ان کا انقلاب انگیز درسِ حدیث ہے، جو برصغیر میں پہلی بار اپنے جلو میں جدید انکشافات اور علم و عرفاں کی حیرت زا خصوصیات کے ساتھ جلوگر ہوا۔

شاہ صاحب کا انقلابی درس اور اس کی چند خصوصیات

مولانا انظر شاہ کشمیری مدظلہ ان خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"شاہ ولی اللہؒ کا طریقِ درس، حدیث کی ضروری وضاحت سے زیادہ نہیں تھا۔ مولانا گنگوہیؒ و مولانا نوتویؒ نے اس میں فقہ حنفی کے مآخذ کی نشاندہی کا اضافہ کیا، لیکن مولانا کشمیری قدس سرہ العزیز نے عام درس گاہی طریق درس میں یکسر انقلاب برپا کیا۔ آپ نے حدیث کی شرح و تفصیل میں صرف و نحو، فقہ و اصول فقہ، معانی و بلاغت، اسرار و حکم، سلوک و تصوف، فلسفہ و منطق، سائنس و عصری علوم کا ایک گراں قدر اضافہ، رجال کی بحثیں مصنفین و مولفین کی تاریخ و سوانح، تالیفات و تصنیفات پر نقد و تبصرہ آپ کے درس کا ایک امتیاز تھا، اس کے نتیجے میں درسی تقریریں بجائے مختصر ہونے کے طویل ہو گئیں (22)۔"

مولانا انظر شاہ کشمیری کے ساتھ حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب رحمہ اللہ کی یہ ہم نوائی بھی قابل ذکر ہے، لکھتے ہیں:

"حضرت ممدوح کے علمی تبحر اور علم کے بحر ذخار ہونے کی وجہ سے درس حدیث صرف علوم حدیث تک ہی محدود نہ تھا بلکہ ضمناً لطیف نسبتوں کے ساتھ ہر علم و فن کی بحث آتی، اگر معانی و بلاغت کی بحث آتی تو محسوس ہوتا کہ علم معانی کا یہ سلسلہ واضع نے اسی حدیث کے لیے وضع کیا تھا۔ معقولات کی بحث چل نکلتی اور آپ معقولیوں کے کسی مسئلے کا رد فرماتے تو اندازہ ہوتا کہ گویا یہ حدیث معقولات کے مسئلہ کی ہی تردید کے لیے قلب نبوی پر وارد ہوئی تھی، غرض اس نقلی و روایتی فن میں نقل و عقل دونوں کی بحثیں آتیں اور ہر فن کے متعلقہ مقصد پر سیر حاصل اور محققانہ بحث ہوتی پھر علاوہ بحث حدیث کے وہ فنی مسئلہ ہی فی نفسہ اپنی پوری تحقیق کے ساتھ منقح ہو کر سامنے آجاتا تھا (23)۔"

بے مثال قوت حافظہ

مولانا گیلانی مرحوم جن کی البیلی تصنیفات سے آج بھی ہندوپاک کی علمی فضائیں آباد ہیں شاہ صاحب کی یادداشت اور غیر معمولی قوت کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"ان کی یہ عادت تھی کہ عربی زبان کے کسی مشکل لفظ کی تشریح کرتے ہوئے، یا کسی اور ضرورت سے عربی شعر پیش کرنا چاہتے تو گو شہادت کے لیے ایک مصرعہ یا ایک شعر ہی کافی ہوتا، لیکن یادداشت کی بے پناہ قوت کا نتیجہ تھا، ایک مصرعہ کے لیے بیس بیس پچیس پچیس بلکہ اس سے بھی زیادہ اشعار کی نظموں کو مسلسل سناتے چلے جاتے تھے (24)۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہ صاحب کے اس طرزِ عمل سے مولانا گیلانی کا نکتہ رس ذہن فوراً اس نکتے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ اس وقت ان کے صفحۂ حافظہ پر اشعار کا کتنا وسیع ذخیرہ منقش ہو گا؟ لکھتے ہیں:

"میرا اندازہ تھا کہ مجموعی طور پر نصف لاکھ یعنی چالیس پچاس ہزار سے کم تعداد ان عربی اشعار کی نہ ہو گی جو شاہ صاحب کو زبانی یاد ہو گی، جنہیں جس وقت چاہتے وہ سنا سکتے تھے (25)۔"

یہ تو ان عربی اشعار کی تعداد کا تخمینہ تھا جو مولانا نے لگایا، اس کے ساتھ اگر فارسی اور اردو کے شعری کلام کو ملا کر مجموعی تعداد کا نتیجہ نکالا جائے تو یقیناً ڈیڑھ لاکھ سے بھی بات متجاوز ہو جائے گی۔

طول طویل تقاریر کی حکمت

درسِ حدیث میں معلومات وانکشافات کے اس غیر معمولی طوفان کے برپا کرنے اور طول طویل تقریروں کی پشت پر کیا حکمت کار فرما تھی؟ "حیات کشمیری" کے مؤلف علام لکھتے ہیں:

"بہر حال درس میں جامعیت اور وسیع ترافادی معلومات جو شاہ صاحب کی درزبان سے ظاہر ہوئے اس سے جہاں ایک فائدہ وہ تھا جسے مولانا محمد طیب صاحب نے بتایا کہ اس جامع درس کا طالب علم اس درس سے ہر علم وفن کا مذاق لے کر اٹھتا اور اس میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی کہ وہ بضمنِ کلام خدا اور رسول ہر فن میں محققانہ انداز سے کلام کر جائے یہ در حقیقت درس کی لائن کا ایک انقلاب تھا جو زمانے کی رفتار کو دیکھ کر الاستاذ الامام الکشمیری نے اختیار فرمایا۔" مولانا طیب صاحب ہی کے قلم نے حضرت شاہ صاحب کے ایک ملفوظ کی اس حقیقت کو بھی بے نقاب کیا کہ درس کا آپ کا یہ اجتہادی طرز دور حاضر کے فتنوں کے مقابلے کی سوچی سمجھی تیاری تھی چنانچہ آپ خود درس میں طلبا کو مخاطب کر کے فرماتے:

"بھائی اس زمانے کے علمی فتنوں کے مقابلے میں جس قدر ہو سکا ہم نے سامان جمع کر دیا ہے۔"

اس سے واضح ہوا کہ درس میں مختلف عنوانات سے متعلق یہ تقریر، اپنے علم کا اظہار یا اپنے تبحر کا مظاہرہ نہیں تھا بلکہ آپ طلبا کو نت نئے فتنوں کے مقابلے میں اس طرح مسلح کر دینا چاہتے تھے کہ وہ دین کی جانب سے دفاع کر سکیں (26)۔"

اسماء رجال پر شاہ صاحب کی ناقدانہ اور وسیع نظر اور حنفی مذہب کا دفاع

یہی مولفِ "حیات کشمیری" رقم طراز ہیں:

"اسماء الرجال کا یہی فن جو زبردست قوت حافظہ کا مطالبہ کرتا ہے اس کے ساتھ وسعت مطالعے کا بھی طالب ہے۔ حدیث کے طول طویل دفتر میں ناقدین نے جہاں کہیں کسی راوی کو مجروح قرار دیا اس کی تعدیل سے فائدہ اٹھانے کے لیے حدیث کے پورے ہی ذخیرہ پر واقفیت کی ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو یادداشت کی غیر معمولی قوت کے ساتھ جو وسعت نظر عطا فرمائی تھی اس سے کام لے کر احناف کے لیے مفید روایتوں اور راویوں سے کام لیتے اور اس سلسلے میں شافعی المسلک ان علما کی زیادتی پر خصوصی توجہ دلاتے جس کا مقصد احناف کے لیے مفید روایت اور رواۃ کی بیخ کنی ہوتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری سے آپ کی غیر معمولی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جبل العلم، حافظ الدنیا سے آپ کا اشارہ ابن حجر ہی کی جانب ہوتا لیکن جب محسوس کرتے کہ ابن حجر دانستہ کف لسانی سے کام لے کر حنفیہ کے لیے کسی

© rasailojaraid.com

مفید روایت سے سرد مہری کا معاملہ کر رہے ہیں تو ان کے اس طرز کو طوطے کی چال سے تشبیہ دیتے جو آنکھوں کو گردش دے کر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا ہوا نکل جاتا ہے۔ اختلافی حدیثوں کے بارے میں شوافع کے یہاں "اصح مافی الباب" (یعنی اس باب میں سب سے زیادہ صحیح یہ ہے) کا جو ترجیحی طریقہ جاری ہے اس کا جب کبھی ذکر آتا تو فرماتے کہ لیجیے شوافع نے "پٹھے ٹٹولنے" کا کام شروع کر دیا (27)۔"

شاہ صاحب کا بے نظیر کارنامہ: استحکامِ حنفیت

شاہ صاحب نے حنفیت کے استحکام، دوسرے، مذاہب فقہیہ کے مقابلے میں حنفیت کے دامن کو ترجیحی دلائل سے بھرنے اور اسے مطابق للحدیث قرار دینے کی جو ناقابل فراموش کاوشیں کیں اس سلسلے میں مؤلف "حیات کشمیری" لکھتے ہیں:

"شاہ صاحب جنہیں فقہ حنفی کے مطابق للحدیث ہونے کا پورا یقین تھا اور جنہوں نے تیرھویں صدی میں حنفیت کی خدمت اور اس کے استحکام میں تاریخی کردار ادا کیا اپنے درس میں احناف کے ماخذ کی خصوصی نشان دہی فرماتے، کبھی کبھی مختلف اقوال میں جب کسی قول کو دوسرے کے تقابل میں راجح و مرجوح یا قوی و ضعیف کے دائروں میں سمیٹنا مشکل ہوتا تو اپنی تحقیقی رائے پیش فرماتے جیسا کہ مولانا کاندھلویؒ نے لکھا ہے کہ، فقہ الحدیث پر جب کلام فرماتے تو اولاً ائمہ اربعہ کے مذاہب نقل فرماتے اور پھر ان کے وہ دلائل بیان فرماتے جو اس مذہب کے فقہا کے نزدیک سب سے زیادہ قوی ہیں، پھر ان کا شافی جواب اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کی ترجیح فرماتے" یہ تو عرض ہی کر چکا ہوں کہ خلافیات کے معرکۃ الآراء مباحث و مسائل میں خود ان کی محققانہ رائے ہوتی جسے سننے والا سن کر مطمئن ہوتا، اس ذیل میں مولانا کاندھلوی رقم طراز ہیں:

"مسائل خلافیہ میں تفصیل کے بعد یہ بھی بتلا دیتے کہ اس مسئلے میں میری رائے یہ ہے کہ گویا وہ ایک قسم کا فیصلہ ہوتا جو طلبا کے لیے موجب طمانیت ہوتا"

غرض یہ کہ آپ نے چالیس سالہ درس حدیث میں غیر متزلزل بنیادوں پر یہ حقیقت روشن کر دی کہ نعمان بن ثابت الکوفی المکنی بابی حنیفہ طاب ثراہ پر یہ الزام کہ انہوں نے حدیث سے ہٹ کر رائے و قیاس سے فقہ کی تعمیر کی ہے دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے" (28)

الغرض شاہ صاحب کے علمی و عملی کمالات اور جامع شخصیت کا یہ نتیجہ تھا کہ انہوں نے علم و عرفان کی دنیا میں نئی ہلچل برپا کر دی، ان کی عہد آفریں تصنیفات اور مباحث نے علمی حلقوں میں ایک ذہنی تموج پیدا کر دیا اور ان کو نئی غذا اور طاقت پہنچائی، بالخصوص درسِ حدیث کے ذریعے حنفیت کے استحکام کو اجاگر کرنے کا عظیم الشان کارنامہ ان کی علمی سوانح عمری میں نمایاں عنوان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام کی جو چند شخصیتیں صدیوں تک عالم اسلام کے دل و دماغ پر اور اس کے علمی و فکری حلقوں پر حاوی رہی ہیں شاہ صاحب کی آمد سے اس فہرست میں ایک نئے نام کا اضافہ ہوا۔

مصر کے مشہور صاحب قلم و کمال علامہ رشید رضا مصری مرحوم جب ہندوستان تشریف لائے تو انہیں ہندوستان کے اربابِ علم و کمال کے ایک عظیم الشان جلسے میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ اس جلسے میں جب ایک ہندوستانی عالم اپنی تقریر جو عربی میں ہو رہی تھی ختم کر چکا تو علامہ رشید رضا اٹھے، خدا جانے کیا کیا کہا مگر یہ جملہ بار بار ان کی زبان پر بے ساختہ آتا تھا۔

© rasailojaraid.com

ما رأیت مثل هذا الاستاذ الجلیل قط اتنا بڑا استاد میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

یہ حضرت الامام الاستاذ مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ہی کی ذات بابرکات تھی (29)۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور ان کا اسلوب درس

حضرت شیخ الہند کے ممتاز شاگرد اور جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کا شمار برصغیر پاک و ہند کے ان ممتاز شیوخ حدیث میں ہوتا ہے جو اپنی ہمہ جہت شخصیت کے حیرت انگیز تنوع اور ہجومِ کار کے باوجود علوم و معارفِ نبوت کی مشعل ہاتھ میں لیے ہزاروں دماغ روشن کر چکے ہیں۔ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین مقرر ہو کر دار العلوم دیوبند کی مسند حدیث پر مسلسل تیس سال ترمذی و بخاری شریف کا باوقار درس دیا۔ آپ کے حلقہ درس سے محدثین کی ایسی وسیع جماعت تیار ہو کر نکلی جس نے درس و تدریس اور تالیف و تصنیف کی راہوں سے نہ صرف برصغیر پاک و ہند میں بلکہ پورے عالم اسلام میں نبوی تعلیمات کی ضیار بار کرنیں بکھیریں۔

آپ کا اسلوب درس شاہ صاحب کے درس سے کچھ مختلف رہا۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ درس حدیث میں شرح و بسط اور طول طویل تقریروں کا "صور" پہلی بار شاہ صاحب نے پھونکا۔ جن کے درس پر ابتدا سے آخر تک یہی رنگ غالب رہتا تھا، تاہم حضرت مدنیؒ کا درس، درس حدیث کے تین مشہور خطوط پر مشتمل تھا یعنی طریق سرد، طریق حل و بحث اور طریق امعان و تعمق۔

طریق امعان و تعمق کا یہ حال تھا کہ ایک مسئلے پر بعض اوقات تین تین چار چار دن مسلسل (60 منٹ کے تعلیمی گھنٹے میں) تقریر جاری رہتی اور مسئلے کا "مالہ وما علیہ" ائمہ کے اختلاف و مذاہب اور ان کے دلائل و مآخذ، سنن و رجال، پرپُر اعتماد تبحر کے ساتھ نقد و تبصرہ فرماتے۔ مولانا عبد القدوس نور اللہ مرقدہ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ مسئلہ قلتین میں شوافع کے استدلال پر آپ نے 51 اعتراض کیے، رفع الیدین کے مسئلے میں تین دن (روزانہ تین گھنٹے) اور فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں ایک ہفتہ صرف ہو جاتا تھا۔ اور طریق سرد کی کیفیت یوں تھی کہ کئی پارے قراءۃً پڑھ لیے جاتے تھے اور آپ مہربلب رہتے۔

آپ کے مایہ ناز شاگرد رشید شیخ الحدیث حضرت سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم نے آپ کی درسی خصوصیات کا بڑی خوش اسلوبی سے احاطہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

1۔ حضرت کی تقریر نہایت سلیس، شستہ اور اس کی رفتار بہت دھیمی ہوتی تھی، ایک ایک لفظ واضح با آواز بلند زبان مبارک سے نکلتا تھا، مشکل مقامات نہایت سادہ طرز میں مثالیں دے کر حل فرماتے تھے۔ 2۔ جب کسی مسئلے میں حدیث میں توجیہ بیان فرماتے اور توجیہات متعدد ہوتیں تو ہر ایک توجیہ کو الگ الگ شمار کرتے تھے۔ 3۔ کتب حدیث کا مکمل سیٹ آپ کے پاس رکھا ہوتا تھا تمام فقہا کے دلائل کو کتاب کھول کر سناتے، کسی امام کی دلیل کو حوالہ کتب کے بغیر نہ چھوڑتے تھے۔ 4۔ سند پر حسب ضرورت بحث فرماتے اور علماء جرح و تعدیل کے اقوال نقل فرماتے۔ 5۔ حدیث کا مفہوم وضاحت کے ساتھ اس طرح سمجھاتے کہ وہ طلبہ کے ذہن نشین ہو جاتا تھا۔ 6۔ اگر حدیث پر کوئی اعتراض وارد ہوتا تو اعتراض کی تشریح فرما کر مستند قوی جوابات بیان کرتے تھے۔ 7۔ مشکل مقامات پر اگر ضرورت ہوتی تو نحوی ترکیب ذکر کرتے تھے اور مشکل الفاظ کے حل کے ضمن میں شعراء کا کلام تائید میں پیش کرتے تھے۔ 8۔ فرضیت احکام کی تاریخ کا ذکر کرتے تھے۔ 9۔ فرق حقہ اور فرقہ باطلہ کے عقائد کی دل نشین تشریح فرماتے اور پھر احقاق حق و ابطال باطل میں کوئی کسر نہ چھوڑتے تھے۔ 10۔ اختلافی مسائل میں ہر امام کے دلائل بیان فرما کر آخر میں مذاہبِ احناف کی حدیث کے ساتھ مطابقت اس طرح بیان کرتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ حنفی مذہب احادیثِ نبویہ کے بالکل مطابق ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ کو تفقہ فی الدین میں وہ کامل دستگاہ حاصل ہے جو کسی امام فقہ کو حاصل

© rasailojaraid.com

نہیں۔ 11۔ عقائد وایمان کے مباحث بخاری کے درس میں بسط وتفصیل کے ساتھ ارشاد فرماتے تھے۔ 12۔ اختلافی اور معاشرتی مسائل پر بھی سیر حاصل گفتگو ہوتی تھی۔ 13۔ مغازی کے درس کا خاص لطف یہ تھا کہ حضرت عرب کے جغرافیہ سے واقف تھے اس لیے مقامات جہاد کا جغرافیہ بڑی وضاحت سے بیان فرماتے تھے۔ 14۔ احادیث متعارضہ میں تطبیق کا پورا پورا اہتمام ہوتا تھا۔ 15۔ بخاری جلد اول کا درس ابتدا میں تفصیلی ہوتا تھا، جلد دو میں مغازی اور تفسیر کا درس تحقیقی ہوتا تھا، پھر علی سبیل السرد کتاب ختم ہوتی تھی۔ 16۔ ترمذی کا درس از اول تا آخر پوری تحقیق اور بسط کے ساتھ ہوتا تھا۔ 17۔ حضرت کے درس میں سماع من الشیخ اور قراءت علی الشیخ دونوں کا دستور تھا۔ ابتدا میں عموماً قراءت علی الشیخ ہوتی تھی، طالب علم پڑھتا تھا اور آپ سنتے رہتے آخر سال میں عصر وعشا کے بعد سماع من الشیخ ہوتا تھا۔

حضرت خود قراءت فرماتے تھے سال کے بالکل آخر میں امتحان سالانہ کے بعد جب بخاری کو ختم کرنا ہوتا تھا اور طریق سرد اختیار کیا جاتا تھا تو چند طلبہ مقرر ہوتے تھے وہ قراءت کرتے تھے (30)۔

موضوع کو مزید طویل کرنا مقصود نہیں، اسے مختصر کرنا مطلوب ہے۔ ان تمام شیوخ حدیث کا درس جس نہج پر قائم تھا ان کے نامور معاصر محدثین یا تلامذہ کا درسِ حدیث بھی اپنے خدوخال کی معمولی تبدیلی کے ساتھ اسی نہج پر تھا۔ عصر حاضر میں درسِ حدیث کا مروجہ اسلوب بھی درحقیقت انہی شیوخ کے نقش پر ہے۔ ان یکتائے زمان محدثین میں سے بہت سے نام اب ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو کر تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں مگر اس کہکشاں کی دمک ہمیشہ کے لیے کائنات کے منظر نامے کا ایک زندہ جاوید حصہ بن کر روشن رہے گی۔

حواشی حوالہ جات

(۱) تدوین حدیث 112 مولانا مناظر حسن گیلانی (۲) اس نکتے کی طرف مصر کے مشہور متبحر عالم علامہ زاہد الکوثری نے اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "وكانت أمصار المسلمين تتناوب في الإضطلاع بإعباء علوم السنة مدى القرون، إن قصر في ذلك قطر قام قطر آخر بواجبه في هذا الباب وهكذا" (مقالات کوثری ص 71۔ ایچ ایم سعید کراچی) (۳) مقالات کوثری (عربی) ص 72 (۴) ایضاً ص 73 "تضاء ل النشاط العلمي بمصر بل تزعزت أركان العلم، وغادر هذا النشاط القطر المصرإلى أقطار أخرى، كماهو سنة الله في خلقه، (۵) تاریخ دعوت وعزیمت۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ ص 181 جلد پنجم (۶) تاریخ دعوت وعزیمت جلد پنجم (۷) ملخصاً نزہۃ الخواطر ج 6 ص 411 (۸) "احاطۂ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن" مولانا مناظر احسن گیلانیؒ (۹) تاریخ دعوت و عزیمت حصہ پنجم ص 358 (۱۰) "کشف الباری" جلد اول (۱۱) تاریخ دعوت و عزیمت حصہ پنجم ص 380 بتصرف و اختصار۔ (۱۲) "احاطۂ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن" ص 86 (۱۳) ایضاً (۱۴) ایضاً (۱۵) تذکرۃ الرشید 89، 90 (۱۶) ایضاً (۱۷) ایضاً (۱۸) احاطہ دار العلوم دیوبند میں بیتے ہوئے دن (۱۹) ایضاً ص 145۔ 146۔ (۲۰) ایضاً ص 153 (۲۱) ایضاً ص 155۔ 156 (۲۲) حیات کشمیری ص 147 (۲۳) ایضاً ص 151۔ 152 (۲۴) احاطۂ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن ص 103 (۲۵) ایضاً (۲۶) "حیات کشمیری" ص 154 (۲۷) ایضاً ص 158۔ 159 (۲۸) ایضاً (۲۹) "پاک وہند میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت" ص 290 ج اول مولانا مناظر احسن گیلانی (۳۰) کشف الباری ج 1 ص 70، 71، 72